© rasailojaraid.com

مولانا ریاست علی بجنوریؒ کی زندگی کے چند روشن پہلو

مولانا نایاب حسن قاسمی، دہلی

[حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ دارالعلوم دیوبند کے قدیم استاذ حدیث تھے، دارالعلوم دیوبند میں ان کی خدمات کا عرصہ چالیس سال سے زائد ہے، مشہور زمانہ ''ترانہ دارالعلوم دیوبند'' ان ہی کا تحریر کردہ شاہکار ہے، 20 مئی 2017ء کو ان کا انتقال ہوا، ان کے ایک شاگرد نے ماہنامہ وفاق کے لئے ان کی زندگی پر تاثراتی مضمون لکھا جو نذر قارئین ہے]

قدرے چھوٹا قد، روشن چہرہ، آنکھوں پر چشمہ، ہاتھ میں عصا، راہ چلتے ہوئے چپ وراست سے بالکل بے پروا، ان کی نگاہیں بھی قدم کے ساتھ ہی بڑھتیں، سرِراہ کوئی سلام کرتا تو جواب دیتے، ہلکی سی مسکراہٹ بکھیرتے اور رواں دواں رہتے۔ میرے ذہن میں اپنے استاذ، عالم، محدث، ادیب وشاعر مولانا ریاست علی بجنوری کی یہی تصویر ہے۔ ان سے پہلی بار دید وشنید کا موقع تب ملا جب وہ فضیلت کے سال سنن ابن ماجہ پڑھانے تشریف لائے، سمٹے سمٹائے وجود کے ساتھ مسند تدریس پر بیٹھے، کتاب شروع کروائی اور درس کی ابتدا ہوگئی۔ وہ ایسے استاذ تھے کہ ان سے حدیث پڑھتے ہوئے لگتا کہ واقعی حدیث کا سبق ہو رہا ہے، وہ حدیث کی تشریح حدیث کے ذریعے کرتے اور مشکل الفاظ حدیث کی توضیح نہایت عمدہ، آسان اور زود فہم وسہل المنال اسلوب میں کرتے تھے، احادیث کے مابین تعارض کو دور کرنے کا بھی ان کا اپنا عمدہ اسٹائل تھا، وہ سنن ابن ماجہ کا دیباچہ پڑھاتے تھے، جو ایمانیات پر مشتمل ہے اور اس میں ائمہ کے اختلاف وغیرہ کی نوبت کم آتی ہے، لیکن پھر بھی کسی موقع پر کسی حدیث کی تشریح کے دوران ائمہ فقہ وحدیث کے مابین اختلاف کا ذکر چل نکلتا، تو نہایت عمدہ انداز میں اس پر گفتگو کرتے۔ دوسرے سال تکمیل ادب عربی میں ''البلاغۃ الواضحہ'' کا درس ان کے پاس تھا، صبح کے آخری گھنٹے میں ان کی کلاس ہوتی، پابندی سے آتے، عبارت خوانی ہوتی، تشریح ہوتی اور ترجمہ ہوتا، دوران تشریح بعض ادبی وبلاغی پہلوؤں کی تشریح کرتے ہوئے کچھ دلچسپ واقعات بھی سناتے جاتے، خاص طور سے عربی اشعار کی تشریح کرنے کا ان کا انداز خاصا نرالا ہوتا۔

اخلاقی زندگی میں وہ نہایت متواضع اور سادہ انسان تھے، مگر فکر ونظر کے باب میں نہایت پختہ، سو وہ ہر اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات، خیال اور فکر پر برملا تنقید کرتے، جس سے وہ متفق نہ ہوتے، البتہ ان کا تنقید کا انداز تلخ اور مخاطب پر گراں گزرنے والا نہ ہوتا، تنقید میں بھی خلوص اور بیان و بلاغت کی چاشنی پائی جاتی، کئی مجلسوں اور علمی محفلوں میں انہیں کھل کر کسی نظریے سے اختلاف کرتے ہوئے دیکھا اور سنا، مگر ان کا اسلوب بیان ایسا ہمدردانہ اور مخلصانہ ہوتا کہ وہ شخص بھی، جس پر تنقید ہو رہی ہوتی، یا تو ان کی باتوں کا قائل ہو جاتا، یا کم از کم خاموش تو ہو ہی جاتا۔ جب ہماری کتاب (البلاغۃ الواضحہ) کے اسباق پورے ہوئے، تو ہمارے بعض شوخ ہم جماعتوں نے ان سے آم کھلانے کی درخواست کر دی، سن کے پہلے خاموش رہے، پھر مسکرائے، پھر ہنستے ہوئے فرمایا کہ یہ ''بھئی ہمارے زمانے میں طلبہ اس قسم کے مطالبوں کو استاذ کی شان میں بے ادبی سمجھتے تھے'' اور پھر جیب سے پیسہ نکالا اور غالباً فی طالب علم ایک ایک کلو آم کی قیمت مرحمت فرمائی، ہماری یہ جماعت تقریباً ساٹھ طلبہ پر مشتمل تھی۔ میں نے ان کے اس طرز عمل سے یہ سمجھا کہ وہ استاذ اور طالب علم کے مابین حجاب اور تکلف کی بجائے بے تکلفی کو پسند کرتے تھے، کہ اس طرح افادہ اور استفادہ کی راہ آسان اور منزل رسا ہو جاتی ہے۔ ان کا طرز کلام بڑا دلچسپ تھا، مخاطب کو قائل کرنے کی بھرپور خوبی ان کے اندر پائی جاتی تھی، طنز کی کاٹ کے ساتھ اسلوب بیان کی شوخی و رنگینی بھی ان کی گفتگو کا خاصہ تھی۔ دار العلوم کے احاطے میں ان کی عقل و تدبیر کے بڑے چرچے تھے، عمومی اصطلاح میں انہیں ''دار العلوم کا داہیہ'' سمجھا جاتا، جو غالباً احادیث میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے بارے میں منقول ہے۔ ویسے یہ واقعہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی پینتالیس سالہ عملی زندگی کے دوران دار العلوم میں رونما ہونے والے کئی بڑے ناخوشگوار واقعات کو اپنی تدبیر و بصیرت مندی سے فرو کیا۔ طلبہ کے ساتھ مولانا کا رویہ نہایت مخلصانہ اور خیر خواہانہ ہوتا، ہر طالب علم کو اس کے شوق و ذوق اور علمی و دلچسپی کے مطابق مشورے دیتے، ان کے بے تکلفانہ و مشفقانہ سلوک کی وجہ سے عام طور پر طلبہ ان سے بہت جلد بے تکلف ہو جاتے اور اپنی ہر مشکل اور ضرورت ان کے سامنے برملا ظاہر کرتے اور مولانا اپنے ناخن تدبیر سے اس کی مشکل حل فرماتے۔ پہلے ایک عرصے تک آپ کا قیام دار العلوم کی جانب سے تعمیر کردہ قدیم دار الاساتذہ میں رہا، جو مشہور و تاریخی چھتہ مسجد کے عقب میں واقع ہے اور ''افریقی منزل قدیم'' کے نام سے مشہور ہے، پھر جب وسائل ہم دست ہوئے تو جامع رشید سے قریب محلّہ ''خانقاہ'' میں اپنا مکان تعمیر کروایا اور وہیں منتقل ہو گئے، یہ مکان بھی مولانا کے حسن ذوق اور جمال آشنا طبیعت کا عکاس ہے، روزانہ بعد نماز عصر اسی مکان کے باہری کمرے میں مولانا کی مجلس لگتی، جس میں صلائے عام کی سی کیفیت ہوتی، اس مجلس میں دار العلوم کے قدیم و جدید اساتذہ بھی تشریف رکھتے اور طلبہ بھی بڑی تعداد میں موجود رہتے، مختلف علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی، عصر حاضر کے مسائل بھی زیر بحث آتے اور مولانا ہر موضوع پر اپنی گل افشانی سے سامعین کو محظوظ فرماتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کی پیدائش 9 مارچ 1940ء کو علی گڑھ میں ہوئی، والد کا نام منشی فراست علی تھا، آپ کا آبائی وطن موضع حبیب والا ضلع بجنور ہے، ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے پھوپھا محترم حضرت مولانا سلطان الحق بجنوری (ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند) کے ہمراہ 11 برس کی عمر میں 1951ء میں دارالعلوم پہنچے، مسلسل 7 سال یہاں زیر تعلیم رہے اور 1958ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد بھی حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی کی خدمت میں رہ کر برسوں استفادہ کیا اور اپنے استاذ محترم کے درس بخاری کی تقریروں کو مرتب کرتے رہے، 1972ء میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے اور مختلف مراحل میں ابتداء سے لے کر دورہ حدیث وتخصصات تک کی امہات کتب کا درس دیا۔ 1983ء 84ء میں ماہ نامہ ''دارالعلوم'' کی ادارت بھی آپ کے سپرد رہی، اس کے علاوہ مختلف وقفوں میں دارالعلوم کے تحقیقی، تصنیفی وصحافتی شعبے ''شیخ الہند اکیڈمی'' کی نگرانی، نظامت تعلیمات اور نیابت اہتمام کے موقر عہدوں پر بھی آپ نے اہم خدمات انجام دیں۔ اس طرح آپ نے تقریباً 45 سال تک تدریس کے علاوہ دیگر اہم علمی شعبوں سے وابستہ رہ کر اہم ذمے داریاں نبھائیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا فخر الدین مرادآبادی کے درسی افادات کو ''ایضاح البخاری'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کرنا ان کا اہم علمی کارنامہ ہے۔ ان کی ایک کتاب ''شوریٰ کی شرعی حیثیت'' بھی ہے، جو اسلام میں مشاورت کے تصور اور اس کے آداب وضوابط پر اردو میں ایک اہم ترین اور دستاویزی تصنیف ہے۔

مولانا ریاست علی کی ذات میں ایک اور شخص ''ظفر'' نامی بھی بستا تھا، جو گلستان ادب وشعر کا گلچیں تھا، انہوں نے گرچہ علم حدیث سے شغل کی وجہ سے باقاعدگی کے ساتھ اس شخص کو کھلنے کا موقع نہیں دیا اور بہت زیادہ شاعری نہیں کی، مگر جو کچھ بھی کی، وہ لاجواب ہے، بے مثال ہے، اپنی معنویت اور فکر وخیال کی ندرت وپختگی کے اعتبار سے استاد شاعروں کے ہم پلہ ہے، ان کا ایک شعری مجموعہ بھی میں نے پڑھا ہے، جس کا نام ''نغمۂ سحر'' ہے، ریاست صاحب اصغر گونڈوی کو استاذ مانتے ہیں اور انہی کی زمین میں بہت سی غزلیں کہی ہیں، اس کتاب کے شروع میں جو تمہیدی نثر انہوں نے لکھی ہے، وہ بھی ٹاپ کی ہے، نہایت سلیس، مزے دار، اس کو پڑھتے ہوئے مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ مولانا اگر باقاعدہ نثر لکھتے رہتے تو عجب نہیں تھا کہ وہ اردو کے اعلیٰ درجے کے نثر نگاروں میں شمار کیے جاتے۔

ترانہ دارالعلوم دیوبند:

ان کا ایک زبردست شعری کارنامہ دارالعلوم دیوبند کا ترانہ ہے، یہ ترانہ ایسا ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے الفاظ الہام کی مانند ہماری سماعت اور ذہن و دل پر نازل ہو رہے ہیں، مولانا نے اس ترانے کی بحر، وزن اور قافیہ بندی تک میں ایسی ہنروری اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے کہ ہر مصرعہ اور مصرعے کا ہر لفظ نہایت چست، درست ہے اور اپنے اندر معنویتوں کی کائنات بسائے ہوئے ہے، شعری استعارات و کنایات کو اس خوبی سے برتا ہے کہ دل جھوم اٹھتا ہے، ترانے دوسرے تعلیمی اداروں کے بھی لکھے گئے اور بڑے بڑے شاعروں کی ذریعے لکھے گئے، لیکن جب خالی الذہنی کے ساتھ ترانہ دارالعلوم کو سنیے اور پھر دوسرے مختلف اداروں کے ترانوں کو سنیے تو خود بخود آپ کی ادبی و شعری حس اس کے امتیاز و حسن کی بے کرانی کی گواہی دے گی، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے، ہر سرو یہاں مینارہ ہے
خود ساقی کوثر نے رکھی مے خانے کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں
جو وادی فاراں سے اٹھی، گونجی ہے وہی تکبیر یہاں
ہستی کے صنم خانوں کے لئے ہوتا ہے حرم تعمیر یہاں
کہسار یہاں دب جاتے ہیں، طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
ہر بوند ہے جس کی امرت جل یہ بادل ایسا بادل ہے
سو ساگر جس سے بھر جائیں یہ چھاگل ایسا چھاگل ہے
مہتاب یہاں کے ذروں کو ہر رات منانے آتا ہے
خورشید یہاں کے غنچوں کو ہر صبح جگانے آتا ہے
اس وادی گل کا ہر غنچہ خورشید جہاں کہلایا ہے
جو رند یہاں سے اٹھا ہے، وہ پیر مغاں کہلایا ہے

موت بہر حال ایک روشن حقیقت ہے اور اس حقیقت سے ہر ذی نفس کو دوچار ہونا ہے، البتہ بعد از مرگ ایسے انسان کا ذکر خیر اور یادیں ضرور باقی رہ جاتی ہیں، جس نے اپنی صلاحیتوں، علم و فکر اور ادب و تخلیق کے ذریعے فیض رسانی کا فریضہ انجام دیا ہو اور اس معنی میں مولانا ریاست علی بجنوری یقیناً ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گے، ان کے اپنے اعمال خیر کے علاوہ ہزار ہا شاگردوں کی شکل میں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ان کی علمی کمائی بھی یقیناً ان کے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہوگی۔

© rasailojaraid.com